جلد نمبر ۳

تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

علامہ حسین بخش جاڑا

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

میں لاتا ہے تو اسے اپنی تحریک کو جاری اور باقی رکھنے کے لئے ایک خصوصی گروہ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جن کے دل میں درد ہو اور جن پر اعتماد ہو کہ یہ لوگ اس کو آگے چلائیں گے چنانچہ دعوتِ اسلام میں بیعت عقبہ اور بیعت شجرہ اسی دینی تحریک کی ہمہ گیری کے لئے ایک منظم جماعت کی تشکیل کا پروگرام تھا۔ پس اسی قاعدہ کے ماتحت جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنا تبلیغی پروگرام شروع کیا، معجزات دکھائے اور شب و روز اپنی انتھک کوششوں سے لوگوں کو کسی حد تک اپنی تحریک سے مانوس کر لیا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ کچھ اعلانیہ اور کچھ خفیہ طور پر میری ان تبلیغی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور میری ایذاء رسانی پر تلے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب ہو جائیں تو ایسا نہ ہو کہ میرے بعد ترویج دین کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے ایک منظم جماعت کی تشکیل کا پروگرام مرتب فرمایا۔ اور منافق لوگوں کے اعمال و کردار سے بدنیتی اور کفر پر آمادگی کو بھانپ کر اپنے خصوصی انصار اور مخلص جان نثار علیحدہ معلوم کرنے کے لئے فرمایا:۔ مَنْ اَنْصَارِیْ یعنی کوئی ہے میرا ہمدرد جو میرے اس دین کی ترویج میں خلوص سے آگے بڑھنے والا ہو، تب حواریوں کی جماعت نے آپ کی آواز پر صدائے لبیک بلند کی۔

اَلْحَوَارِیُّوْنَ :۔ اصل اس کی حور ہے جس کا معنی سفیدی ہے لیکن اس کا استعمال کسی انسان کے خواص پر ہوتا ہے اور قرآن میں صرف حضرت عیسےٰ کے خواص پر اس لفظ کا استعمال ہے

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ :۔ ان کے مکر و تدبیر سے مراد ہے۔ ایذاء رسانی کے درپے ہونا اور اللہ کے مکر و تدبیر سے مراد ہے حضرت عیسےٰ کو بچا لینا۔ اور آسمان پر اٹھا لینا اور یہ واضح رہے کہ نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں حضرت عیسےٰ کے قصہ کی جس حد تک ضرورت تھی اتنا ہی بیان فرمایا۔ اسی لئے پورا قصہ نہیں دہرایا گیا۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے حواریین کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ کہ لوگوں کے نزدیک تو اُن کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ دھوبی تھے اور کپڑوں سے میل اتارتے تھے اس لئے ان کو حواری کہا جاتا ہے کیونکہ خُبز حوار سے مشتق ہے یعنی خالص سفید روٹی۔ اور ہمارے نزدیک ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ خود بھی گناہوں کی میل کچیل سے پاک تھے اور لوگوں کو بھی بذریعہ وعظ و نصیحت گناہوں کی میل سے بچاتے تھے۔

کتاب توحید میں آپ سے مروی ہے کہ ان کی تعداد بارہ تھی اور ان سب سے افضل و اعلم لوقا تھا۔

ص ۲۴۳

حیاتِ مسیح علیہ السلام

اِذْ قَالَ اللّٰہُ :۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود بننے کی شوق میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی موت کا اعلان کیا۔ جس طرح کہ حضرت عیسےٰ کے متعلق یہودیوں نے افواہ عام پھیلائی تھی کہ انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ قادیانی لوگ اپنے عقائد کے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لئے عام مسلمانوں کو قرآن کی اُن آیات سے دھوکا میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں حضرت عیسےٰ کے متعلق توفی کی لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اور اس کا معنی موت بیان کر کے مسیح موعود کا خطاب میرزائے قادیانی پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عوام بیچارے اکثر اُن کے پلندے میں آ کر دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰىٓ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ

جب فرمایا اللہ نے اے عیسٰےؑ تحقیق میں تجھے پورا لینے والا اور اپنی جانب اٹھانے والا اور تجھے نجات دینے والا ہوں

الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلٰى يَوْمِ

ان لوگوں سے جو کافر ہیں اور کرنیوالا ہوں تیرے تابعداروں کو بلند ان سے جو کافر ہیں قیامت تک

الْقِيٰمَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾

پھر میری جانب تم سب کی بازگشت ہوگی پس میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں جہاں یہودیوں کے غلط پروپیگنڈے کی غیر مبہم الفاظ میں تردید کرتے ہوئے اُن کے مُنہ میں لگام دی ہے اسی طرح بعد میں اگر مسیحیت کا لباس اوڑھنے کے شیدائیوں کا بھی حیات مسیح کا اعلان فرما کر ناطقہ بند کردیا ہے

بروایت اکمال حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کو خدا نے نور علم حکمت اور انبیائے سابقین کے علوم کے علاوہ انجیل بھی عطا فرما کر بیت المقدس میں بنی اسرائیل کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ آپ وہاں تینتیس برس مقیم رہے اور اس کے بعد یہودیوں نے اس کے ساتھ مکر کیا۔ اور خدا نے ان کو محفوظ کرتے ہوئے اپنی طرف اٹھالیا (روایت میں تینتیس برس صرف تبلیغی عمر ہے نہ کہ کل عمر لہذا کہولت میں ان کے کلام کرنے سے متعارض نہیں۔)

بروایت تفسیر قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسٰےؑ نے اپنے بارہ حواریین کو اسی شام اپنے پاس طلب کیا۔ جس رات کو وہ اٹھائے جانے والے تھے پس وہ آئے اور آپ نے ان کو ایک کمرہ میں داخل کیا اور آپ زاویۂ گھر میں جو تالاب تھا اس میں غوطہ لگا کر باہر نکلے اور بالوں کو پانی سے جھاڑتے ہوئے اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی اطلاع ہوئی ہے کہ خدا مجھے اپنی جانب اٹھانیوالا ہے اور یہودیوں کے شر سے مجھے نجات دینے والا ہے پس تم میں سے کون ہے جو یہ قربانی کرے کہ اس کو میری شبیہہ بنایا جائے تاکہ اس کو میری جگہ قتل اور پھانسی کی سزا دی جائے پس وہ میرے درجہ میں میرا شریک ہوگا۔ پس ایک جوان نے لبیک کہی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی قبل از صبح کافر ہو جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ دو فرقے افترا پرداز جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ جو شمعون (وصی عیسٰےؑ) کا تابع ہوگا۔ جنتی ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عیسٰےؑ ان کے دیکھتے ہی کمرہ کے ایک گوشہ سے بلند ہو کر ان کی نظروں سے چھپ گئے۔

اسی شب یہودی حضرت عیسٰےؑ کی تلاش میں آپہنچے اور انہوں نے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ایک وہ جوان جو اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کر چکا تھا پس اس کو قتل کر کے سُولی پر لٹکا دیا اور دوسرا کافر ہو گیا جس کے متعلق حضرت عیسٰےؑ نے صبح سے قبل کافر ہونے کی پیش گوئی کی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کی شبیہ اُس شخص پر ڈالی گئی جو یہودیوں کو حضرت عیسٰے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

پس وہ لوگ جو کافر ہیں تو ان کو عذاب دوں گا سخت دنیا اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے پس پورا دے گا

اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

ان کو اجر ان کا اور اللہ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو یہ ہم تلاوت کرتے ہیں تیرے اوپر کتاب

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

اور ذکر حکیم

کے گرفتار کرنے کے لئے لایا تھا۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسٰے کو زمین سے زندہ اٹھایا گیا اور آسمان و زمین کے درمیان ان کی قبض روح (توفی) کی گئی پھر آسمان پر لے جانے کے بعد اُن کی رُوح واپس لوٹا دی گئی چنانچہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کا یہی مطلب ہے

موت اور وفات میں فرق

سب سے پہلے وفات اور موت یا تَوَفِّي اور اِمَاتَه کے معنی میں فرق سمجھنا ضروری ہے اور اس مسئلہ کا حل بھی اسی پر ہی موقوف ہے۔

تَوَفِّيْ ۔ کا مادہ اشتقاق وفی وفاءً ہے اور اس کا معنی ہے پُورا دینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں سے وفا کی یعنی اس کو اپنا حق پورا دے دیا یا اس کا حق پُورا ادا کر دیا اور تَوَفِّي کا معنی ہے پورا لے لینا۔ جیسا کہ اس کی مطاوعت کا تقاضا ہے جس طرح کہا جاتا ہے۔ وَفَاهُ فَتَوَفّٰى ۔ یعنی اس نے اس کو پورا حق دے دیا۔ پس اُس نے پُورا لے لیا۔

اِمَاتَۃ موت سے اور اِحیاء حیات سے ہے اور موت و حیات میں تقابل ہے پس موت کا معنی ہے۔ عدم الحیات (زندگی کا سلب ہونا) قرآن مجید میں تَوَفِّيْ اور موت ہر دو لفظیں استعمال کی گئی ہیں لیکن اُن کے محلِ استعمال میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معانی الگ الگ ہیں اور تَوَفِّيْ کا معنی موت سے عام ہے کیونکہ اس کا معنی ہے پورا لے لینا اور موت میں بھی چونکہ نفسِ انسانی کو خدا اس کے بدن سے پُوری طرح نکال لیتا ہے۔ اس لئے موت پر بھی تَوَفِّيْ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جس طرح انہی مناسبات و خصوصیات کی بناء پر ارتحال اور قضا کی لفظیں بھی موت کے معنی میں استعمال ہوتی ہیں۔ حالانکہ معنی کے لحاظ سے اس سے عام ہیں اور ہماری زبان میں بھی یہ استعمال بعینہٖ موجود ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ فلاں

کی موت آگئی، قضا آگئی، اجل آگئی۔ پوری ہو گئی، ختم ہو گئی، لیکن ان استعمالات سے ہرگز یہ دھوکا نہیں کھایا جا سکتا۔ کہ قضاء اجل پوری، رحلت اور ختم وغیرہ کی لفظیں جہاں بھی استعمال ہوں گی ان سے مراد موت لی جائے گی۔ اب قرآن مجید میں تَوَفِّیْ کے استعمالات ملاحظہ فرمائیے:۔

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (سورۃ انعام) ہمارے فرستادہ (ملائکہ) اس کو پورا لے لیتے ہیں یعنی اس کی رُوح کو قبضہ میں کر لیتے ہیں اور ملائکہ کے رُوح کو قبضہ میں لینے سے چونکہ قوائے جسم سے حیات رُخصت ہو جاتی ہے۔ بنا بریں اسے موت کی جگہ پر استعمال کیا گیا:۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (سُورۃ سجدہ) تمہیں پُوری طرح لے لیتا ہے یعنی تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے وہ موت کا فرشتہ جو تمہارے اُوپر وکیل ہے تَوَفِّیْ کو موت سے کنایہ کیا گیا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى (سورۃ زمر) اللہ پوری طرح لے لیتا ہے (محفوظ کر لیتا ہے) نفسوں کو جن کی موت آچکی ہے اور جن کو موت نہیں آئی (نیند میں) پس اپنے پاس روک لیتا ہے اُن کو جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ تَوَفِّیْ موت سے عام ہے یعنی بوقت نیند تمام نفسوں کی وفات ہو جاتی ہے یعنی تمام نفسوں کو قبض کر لیا جاتا ہے اور محفوظ کر لیا جاتا ہے پس جن کی موت آچکی ہو اُن کو روک لیا جاتا ہے اور جن کی اجل باقی ہو، ان کو واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تَوَفِّیْ کو قرآن مجید میں جس مقام پر موت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے وہاں اسی پورا لینے اور محفوظ کرنے کے معنی کو ملحوظ رکھ کر کنایہ موت سے کیا گیا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ اس جگہ موت کا معنی بالکل فنا اور باطل ہو جانا نہیں ہے بلکہ اللہ اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے اور جب چاہے اُسے واپس بھی بھیج سکتا ہے۔ بہر کیف جہاں بھی قرآن میں توفّی کا معنی موت لیا گیا ہے وہ صرف کنایہ ہے کیونکہ موت میں بھی نفس کو پُورا لے لیا جاتا ہے اور توفّی کا معنی بھی یہی ہے ورنہ درحقیقت توفّی کا مفہوم موت سے عام ہے۔

پس اس مقام پر ترجمہ آیت یہ ہے کہ ارشادِ قدرت ہوا:۔ اے عیسٰے میں تجھے پورا لینے والا اور محفوظ کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور تجھے کافر لوگوں سے پاک و منزہ کرنے والا ہوں۔ یعنی نجات دینے والا ہوں اور یہودیوں کے ادعاءِ قتل کو دوسرے مقام پر اس طرح رد فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ترجمہ:۔ ان کا کہنا کہ ہم نے مسیح عیسٰے بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ نہ سُولی چڑھایا ہے لیکن ان کو شبہ دیا گیا اور وہ لوگ جو اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں ان کو اشتباہ ہے ان کے پاس کوئی علمی خبر نہیں سوائے اطاعت ظن کے اور یقیناً انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کو خدا نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ عزیز و حکیم ہے اور کوئی اہل کتاب نہیں جو اس کی موت سے قبل اس پر ایمان نہ لائے اور وہ بروزِ قیامت ان پر گواہ ہو گا (سورۃ نساء)

پس قرآن مجید واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حیاتِ حضرت مسیح کا اعلان کر رہا ہے اور جو لوگ اُن کی موت کا ڈھنڈورا

بیٹھے ہیں وہ صرف اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے کی تصدیق کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور عوام جہلاء کی آنکھوں میں دھول جھونک کر قرآن مجید کے بعض الفاظ کو اپنے استشہاد میں لاتے ہیں۔ خداوندکریم جملہ مومنین کو ان کی تسویلات باطلہ و تاویلات عاطلہ کی گرفت سے محفوظ و مصون فرمادے۔

موت مسیح ثابت کرنے کے لئے یہ لوگ کشمیر میں ایک مفروضہ قبر پیش کرکے جہلا کو اس دھوکا میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہی حضرت عیسٰے کی قبر ہے جو یہودیوں کے ڈر سے یہاں بھاگ آئے تھے اور پھر اسی جگہ دفن ہوئے حالانکہ یہ صرف فرضی افسانہ اور من گھڑت تراشی نزشائی ہوئی بے بنیاد اور بے سروپا داستان ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں اور مدعی مسیحیت کے دعوٰی کی تکذیب کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا بھر کے اہل کتاب اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لانا تو درکنار اس کو جانتے تک نہ تھے کہ یہ کس باغ کی مُولی ہے۔ ہاں بعض شاذ و نادر افراد سے اس کے راہ و رسم اِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ کے استغراقی مفہوم کی خانہ پُری نہیں کرسکتے پس معلوم ہُوا کہ وہ مسیح جس کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لائیں گے وہ ابھی زندہ موجود ہیں اور وہ حضرت مہدی علیہ السلام کی معیت میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ان کی تشریف آوری کے بعد آیت مذکورہ کی عملی تصدیق ہوگی اور خدا کا وعدہ سچا ثابت ہوکر رہے گا۔

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ :۔ خداوندکریم نے حضرت عیسٰے علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں تیرے تابعداروں کو کافروں پر فوقیت دوں گا قیامت تک کے لئے۔ اور تابعدارانِ حضرت عیسٰے جناب رسالتمآبؐ کی اطاعت کا حکم دے گئے تھے پس مطلب یہ ہُوا کہ قبل از بعثت کے اطاعت گذار عیسائی اور بعد بعثت کے اطاعت گذار مسلمان کافر لوگوں پر قیامت تک فوقیت رکھنے والے ہوں گے اور فوقیت سے مراد نہ ملکی و سیاسی فوقیت بلکہ روحانی و علمی بلندی ہے۔ لیکن یہ توجیہ دو وجہ سے درست نہیں ہے۔

اولاً تو خداوندکریم یہودیوں کی ایذارسانی کے مقابلہ میں فرمارہا ہے کہ تجھے محفوظ کرکے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے اطاعت گذاروں کو غلبہ عطا کروں گا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عیسٰے کو بالفعل یہودیوں سے مغلوب ہونے کی وجہ سے جو کوفت و تکلیف تھی اس کے بدلہ میں خدا ان کے اطاعت گزاروں کے غلبہ کی خوشخبری سے اُن کی تالیف خاطر فرمارہا ہے تاکہ ان کا رنج خوشی سے اور غم سرور سے متبدل ہوجائے تو حضرت عیسٰے کی مغلوبیت جس نوع کی ہوگی۔ یہ غلبہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ جس کی بشارت دی جارہی ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے کی مغلوبیت روحانی و علمی قسم کی نہ تھی بلکہ اس حیثیت سے تو وہ یقیناً غالب تھے تو یقیناً ان کی مغلوبیت یہی ظاہری قسم کی تھی جو قوت و طاقت کے فقدان کا نتیجہ ہوا کرتی ہے لہٰذا ان کی تالیف قلبی و تسکین خاطر کے طور پر ان کے اطاعت گذاروں کے روحانی و علمی تفوق کی خوشخبری سُنانا بے محل اور بے معنی ہے۔

ثانیاً :۔ روحانی و علمی غلبہ یعنی دلیل و برہان کا تفوق ایک ایسی بلندی ہے جو ناقابلِ زوال ہے۔ پس تا قیامت کی قید لگانا

خلاف بلاغت ہے۔ پس بنابریں زیادہ موزوں و مناسب یہی ہے کہ اس فوقیت سے مراد سطوتِ ظاہری و سلطنت ملکی ہو۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ کے اطاعت گذار قبل از بعثت تو عیسائی لوگ تھے لیکن بعد از بعثت ان کے اطاعت گذاروں سے مراد مسلمان ہیں اور مسلمانوں کو بہ نسبت کفار کے تفوق ملکی کب حاصل ہے؟ بلکہ دیکھنے میں تو کفار کو بدرجہا تفوق و غلبہ حاصل ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد یہودی ہیں اور اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ سے مراد نصاریٰ ہیں اور اگرچہ موجودہ نصاریٰ لوگ حضرت عیسےٰ کے صحیح اطاعت گذار نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کے گذشتہ آباء جو بعثت سے پہلے تھے، حضرت عیسےٰ کی شریعت پر صحیح طور پر گامزن تھے اور یہ لوگ ان لوگوں کی اطاعت پر راضی ہیں بلکہ فخر کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی اس خطاب میں متبعین عیسےٰ سے شمار کر لیا گیا جس طرح قوم یہود کو اپنے آباء کے افعال شنیعہ پر راضی ہونے کی وجہ سے موردِ طعن و تشنیع قرار دیا گیا۔ پس آیت مجیدہ میں خوشخبری ہے حضرتِ عیسےٰؑ کو کہ ان کے تابعدار جو اپنے تئیں عیسائی کہلانے والے ہوں گے ان کافر لوگوں پر تسلط و اقتدار کے مالک ہوں گے اور ان کا اقتدار تا قیامت رہے گا اور قوم یہود پر مغلوبیت کا عذاب دائمی رہے گا اور سب سے انسب یہی ہے کہ اس سے مراد زمانِ ظہور حضرت قائم لیا جائے کیونکہ ان کی معیت میں حضرت عیسےٰ بھی دوبارہ اٹھیں گے پس ان کے اطاعت گذاروں کا بول بالا ہوگا اور پوری دنیا پر وہ اقتدار کے مالک ہوں گے واللّٰہ اعلم۔

نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ :۔ کتاب سے مراد مطلق وحی اور ذکر سے مراد قرآن اور حکیم بمعنی محکم اس کی صفت ہے۔ پس کتاب کے بعد ذکر حکیم تخصیص بعد تعمیم ہے۔

نصاریٰ نجران کے قول کی استدلالی تردید

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی صفحہ ۲۴۵ :۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ وفد نجران کے دو معتمد آدمی جو ان کے پادری تھے ایک کا نام سیّد اور دوسرے کا نام عاقب تھا۔ وہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس آئے اور حضرت عیسےٰ کے متعلق بحث کا آغاز ہوا تو ان دونوں نے احتجاج کے طور پر یہ بات کہی کہ ہر انسان کے لئے باپ ضروری ہوا کرتا ہے آپ عیسیٰؑ کے متعلق بتائیں کیونکہ ان کا باپ تو ہے نہیں (گویا وہ حضرت عیسےٰؑ کی الوہیت ثابت کرنا چاہتے تھے پس یہ آیت اتری۔

اس بیان سے حضرت عیسےٰ کی الوہیت کی نفی پر دو دلیلیں مستفاد ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت عیسےٰ کو خدا نے خلق فرمایا ہے اور جو مخلوق ہو خواہ باپ کے بغیر ہی پیدا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۲) حضرت عیسےٰؑ کی شانِ خلقت حضرت آدم کی شان سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ یہ صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور حضرت آدم بغیر ماں باپ دونوں کے پیدا ہوئے تھے اگر باپ کے بغیر پیدا ہو جانا الوہیت کا موجب ہے تو اس بارہ میں حضرت آدمؑ کو فوقیت حاصل ہے پس اس کو بدرجۂ اولیٰ خدا کہنا چاہیے حالانکہ نصرانی اس کی خدائی کے قائل نہیں تو پس انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کے متعلق بھی اس غلط رویہ کو ترک کر دیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ

تحقیق عیسےٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ اس کو بھی پیدا کیا مٹی سے پھر فرمایا اس کو ہوجا

قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

پس وہ ہوگیا حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں سے نہ بنیں

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پس اگر جھگڑیں وہ اس بارے میں بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آچکا ہے تو فرما دیجئے آؤ بلالیں ہم اپنے

أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ۚ ثُمَّ

بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو۔ ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو پھر

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

دُعا مانگیں اور مقرر کریں اللہ کی لعنت جھوٹوں پر

کُنْ فَیَکُوْنُ :۔ ظاہر بیان کے لحاظ سے درست تو اس طرح ہوتا کہ کہا جاتا کُنْ فَکَانَ۔ لیکن ظاہراً اس کو حکایت حال ماضی قرار دیکر یَکُوْنُ استعمال کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ جب بھی کسی شئی کی ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے ارشادِ کُنْ سے شئی فَیَکُوْنُ کی منزل تک پہنچ جاتی ہے پس حضرت آدم کو پیدا کرنے کے لئے بھی اُس نے ارشاد کُنْ کیا اور وہ فَیَکُوْنُ کی منزل تک پہنچ گیا۔

حضرت آدم کی مثال دے کر حضرت عیسےٰ کی بغیر باپ کی پیدائش کے متعلق نصرانیوں کے شُبہ کا حل کرنا مطلوب ہے کہ خالق حکیم کسی شئی کی تخلیق میں اسباب و علل اور مواد کا محتاج نہیں اور نہ مرورِ زمانہ اور تخلل وقت کا حاجت مند ہے جس طرح وہ آدم کو تدریجی طریق سے مستثنےٰ قرار دے کر فوریت تکوینیہ سے خلق فرما سکتا ہے ور[illegible]ت عیسےٰ کو بھی اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس نے ایسا ہی کیا ہے پس عیسےٰ اس کا بندہ ہے خدا نہیں۔

تفسیر آیت مباہلہ

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ حضرت عیسےٰ کی الوہیت کی نفی کے لئے گذشتہ آیت بیان خداوندی ہونے کے علاوہ ایک ناقابل تردید برہان ساطع اور دلیل قاطع بھی تھی اسی لئے اس کو دوسری آیت میں علم سے تعبیر فرما رہا ہے یعنی اگر وہ آیت نہ بھی ہوتی تب بھی اس کی برہانیت یقین و اطمینان کے لئے بذاتِ خود کافی تھی پس مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فرمایا اور مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّا نہیں فرمایا۔